

آپ کو معلوم ہے کہ آج رات جھیل نہیں کے گزارے اتنا زی چھوڑی جائے گی، اُسے دیکھے بغیر تو آپ یہاں سے جا ہی نہیں سکتے.....  
 کیا یہ فقرہ ابھی تک ان فضاؤں میں موجود ہے... اس گھاس کے میدان میں کہیں خوابیدہ ہے؟ اس نہر کی روافی میں اس کا پرتو ہے؛ اور نہر سے پرے یہاں کی برفپوش چوتھی کی سفید یوں میں کہیں اس کا سایہ باقی ہے کہ نہیں.... یہ فقرہ کتنا قدیم ہے؟.... اتنا ہی جتنا کہ وہ چھرہ جو میرے سامنے ہے... اس پھرے پر کتنے برس ہیں۔ کتنے سال اس پر لکیر دل کی صورت رقم ہیں کہ ہم اس چھرے پر بیٹھے اسے زندگی کے سفر میں سے گذار کر یہاں تک لاٹے...  
 اولین تجربوں کا میدان سر بر تھا۔

شام دہی سفید شست اور یقیناً وہی پُر سکون اور گھاس کی سطح پر ہوتی نہ بوجھیل نہیں اور جھیل بریز کو آپس میں ملا تی تھی۔ بسزے کی تازہ مرک اور پانی کی نم آؤد قربت ہوا میں تھی۔

اس نے سفید شست کی سطح پر انگلی پھیری۔ وہاں گرد تھی۔ وہ اُس پر رد مال پھاک دیجئے گئے "اوہ بیٹھ جاؤ"۔

"میں اس منتظر کو پہلی مرتبہ دن کی روشنی میں دیکھ رہا ہوں...،" میں نے اپنے پاؤں کو دیکھا۔

"میں بھی اُس کے بعد پہلی مرتبہ یہاں آئی ہوں...،" وہ بے چینی سے پہلو بدلتی تھی۔

وہ کس کے بعد پہلی مرتبہ یہاں آئی تھی؟..... ہاں اُس کے بعد... کس کے بعد؟... زمین دہی تھی مگر اس پر قیام کرنے والے خانہ بدوش کب کے کچھ کرچکے تھے.... وہ خانہ بدوش کون تھے؟ کہاں سے آئے اور کہاں چلے گئے... اُن کے کندھوں پر ان کے شیئے تھے اور کھانے پیئے کا سامان تھا... وہ آئے یہاں چند روز نہ تھے اور پھر چلے گئے...، تب ان کے کندھے تو اناد مصبوط تھے اور اب بھک رہے تھے۔

نہر کے کنارے گھاس تھی۔ وہ ہمارے جسموں سے بہتی تھی۔

میں نے اس سربرز سستے کو دیکھا جسے میں نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا اکٹھی میں جب کبھی اس پر لیٹا تو تاریکی تھی اور آس پاہیں سوائے پافی کی روافی کے اور حدائق کے اور کچھ نہ تھا۔ ایسی حدائق جو یخ زمین کو گرم کر کے آسودگی حاصل کرتی تھیں۔

آج رات جھیل مٹھن کے کنارے آئیا۔

کتنے برس پہلے... اس چہرے پر کتنے برس لکھے ہیں اور ان میں کتنے دن میرے تھے؛ صرف چند دن... اور وہ دن چکتے ہیں...،

"بیٹھ جاؤ" وہ پھر بولی۔

میں سفید نشست کے دوسرا سر پر بیٹھ گیا مگر بے دلی کے ساتھ...، سربرز میدان، درمیان میں بہتی نہرا در انڑلاکن کے شہر سے پرے یہ نگ فرو کی پوچھی زرد ہوتی ہوئی...، ہم بہت دیر چپ رہے...، کیا ہم دہی تھے؟...

&lt;

وہی خانہ بدوش جو اپنی تمام تر دھشوں اور خلیے جذبوں کے ساتھ ادھر آئے تھے  
.... پتہ نہیں وہ کون تھے جو میاں آئے تھے۔ ہم تو نہ تھے... ہم تو تھکے ہوئے  
تندیب یافتہ اٹان تھے وحشی نہ تھے، اور وہ وحشی تھے... ۰۰۰

ہاں یہ امنی دنوں کا قصہ ہے جب لذیز جسم مرحدیں عبور کرتا ہے۔ اولین تجربوں  
اور محبت کی کسک سے خائف بھی رہتا ہے اور اس کا اُن لوں ان کی خواہش بھی کرتا ہے۔  
وہ ان گرم اور رستے احساسات کی بخشار آلو دُضد میں ہر منظر اور ہر بدن کے اندر جانا  
چاہتا ہے... ۰۰۰

یہ وہی دن تھے جب ہر درخت سر بیز لگتا ہے اور ہر بظ راج ہن کی صورت  
دکھائی دیتی ہے اور وہ تو تھی ہی راج ہن۔ وہ مجھے پتہ نہیں کیا دکھائی دی... ۰۰۰

---

اُبلا ہوا آلو کا نٹے کی نوک میں سے دیسیرے دیسیرے اُتر زہا تھا اور اولڈ جیری کا لڑتا ہا تھہ جس میں وہ کانٹا تھامے ہوئے تھا اس کو شش میں تھا کہ آلو گرنے سے پیش تر وہ اُسے اپنے بے دانت منہ میں رکھ لے ... لیکن ایسا ایک مرتبہ پھر نہ ہوا اور آلو کا نٹے سے پھسل کر پلیٹ میں جا گرا ...

”فکن پو شیوو...“ اولڈ جیری نے مسکرا کر میری طرف دیکھا ...

”میں مدد کر دوں؟“

”منیں...“ وہ پھر آلو پر بچک گیا ”ایک لرزتے ہوئے ہاتھ اور اُبلے ہوئے بھر بھرے آکو کی کوئی مدد منیں کر سکتا...“ مجھے اپنی صلیب خود ہی اٹھانا ہو گی“ اور بالآخر اس نے اپنی صلیب یعنی وہ آلو اٹھا ہی لیا ... اُسے حلقت سے نکلتے ہوئے وہ میری طرف دیکھ کر پھر مسکرا یا ”فکن پو شیوو...“ اولڈ جیری ایک خردماخ بوڑھا تھا اور شاید اس خردماخی کی دبرسے ہی وہ ابھی تک زندہ تھا ورنہ اس کے پاس زندہ رہنے کے لئے کیا جزا تھا ... وہ

ہر ہفتے بڑھا پے کی پیش گھر لاتا اور اسے اپنی بیٹی جوں کے حوالے کر دیتا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس سے میرنی ہفتہ بھر کی خواک کا خرچ تو نہیں پدا ہو گا نیکن پھر بھی کوشش کر دیکھنا شاید اس مرتبہ میں کم کھاؤں یا ہو سکتا ہے کہ اس ہفتے میں مر جاؤں... اور جوں اپنے عمر سیدہ باپ کی طرف پیار بھری نظرؤں سے دیکھتے ہوئے کہتی آئی ایک سوری ڈیڑی... مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ میں تمہاری کوئی خدمت نہیں کر سکتی؟

مجھے تو بالکل ردی اور کوڑا کر کٹ بات کی تھی وہ جوں کے گال پر ہاتھ رکھ کر کہتا تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ ایک بتردے رکھا ہے میریوں میں مجھے ایک گھنٹے کے لئے ہیٹر چلانے دیتی ہو... تم میرے کپڑے ذہونی ہو۔ بتربناقی ہو... اور مجھے کیا چاہیے... اور میں تو تمیں اپنی خوارک کی رقم بھی ادا نہیں کر سکتا...؟

جوں چیپ میں ایک ایسی خاتون تھی جسے میں اُس عمر میں ادھیر محرب سمجھتا تھا۔ وہ چوری اور مضبوط ہڈیوں کی مالک تھی۔ اس کا چہرہ ہمدرد نہ تھا پھر کرخت تھا لیکن وہ اپنے چہرے سے مختلف تھی... اس نے خوشی کے بارے میں کتابوں میں پڑھاتھا اُسے دیکھا نہ تھا کیونکہ شادی مدد زندگی کا تجربہ اس کے لئے بے حد ناگوار ثابت ہوا تھا... دنیا کی اکثر ہڈکیوں کی طرح اس کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ اس خوبصورت اور شرابی لڑکے کو اپنی محبت سے بالکل بدل ڈالے گی لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس لڑکے نے جوں کو پیخ کھایا اور جب وہ کنگال ہو گئی تو اُسے کسی اور لڑکی کے لئے مچھوڑ گیا جس کا خیال تھا کہ وہ اس خوبصورت بے چارے شرابی لڑکے کو اپنی محبت سے بالکل بدل ڈالے گی... جوں نے دو تین برس اپنی محبت کا گوگ منایا اور پھر ایک فیکٹری میں ملازمت کرنے لگی۔ پانچ چھ برس کی مشقت کے بعد اس نے ایک

چھوٹا سا خوبصورت مکان قسطون پر حاصل کر لیا تھا... اُس کی تنخواہ کم تھی اور اس پر بوجھ بہت تھے چنانچہ اخراجات پورے کرنے کی غرض سے اس نے اپنے گھر میں ایک پے انگ گیستے" رکھ لیا اور وہ اجرتی مہمان میں تھا۔

جون چیپ میں کے خون میں کاروبار نہ تھا۔ کمینگی نہ تھی اس لئے وہ مجھ سے جتنی رقم وصول کرتی شاید اس سے زیادہ مجھ پر خرچ کر دیتی۔ اُس گھر میں ہم تینوں تھے... بلکہ چاروں تھے۔ جن اس کا باپ اولدہ بیسری میں اور وہ سکی جوں فلکیری چلی جاتی... میں اپنی سپورٹس سائیکل پر سوار ہو کر کافی چلا جاتا اور گھر کی رکھوالی کے لئے اولدہ بیسری اور وہ سکی رہ جاتے۔ میں کافی سے واپس آتا تو وہ سکی دروازے سے باہر فٹ میٹ پر بیٹھا میرا انتظار کر رہا ہوتا... ایک چھوٹے سے ڈر بہ نما کمرے میں ایک ٹیلی دیڑن تھا اور باقی حصے میں ایک میز جس کے گرد ہم شام کو کھٹے ہوتے۔

ایک روز کھانے کی میز پر اولدہ بیسری کی پلیٹ دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ وہ صرف اُبئے ہوئے آلو اور بزیریاں وغیرہ کھاتا ہے۔

"بیسری کیا تمیں گوشت پسند نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کس قسم کا گوشت؟" اس نے آنکھ مار کر کہا... "بواۓ جب میں فراں میں تھا تو ہم رُکے ایک شراب خانے میں جایا کرتے تھے..."

"نہیں بیسری اس قسم کا گوشت نہیں" میں قدر سے بوکھلا کر کہتا۔ بلکہ وہیک اور چاپ

وغیرہ تمہیں پسند نہیں؟

"پسند تو ہے لیکن تو اکٹر کے مشورے کے مطابق میں صرف بزیریاں کھاتا ہوں..." اور سیبی بیسری صحت کا راز ہے..."

ایک شام میں نے جون سے پوچھا کہ آخڑا اکٹر نے اولدہ بیسری کو گوشت کھانے

سے کیوں منع کر رکھا ہے تو وہ کہنے لگی کہ جیری تو گوشت اس لئے منیں کھانا کر وہ کھا نہیں سکتا۔۔۔ اُس کی پذش کی رقم گوشت کھانے کے لئے بہت ہی کم تھی۔

یہ مکان جس میں ہم رہتے تھے ۱۰۱۷۔ راشدیل روڈ پر واقع تھا اور پانچ سڑکیں تھا۔ میں پاکستان سے انگلینڈ پڑھنے کے لئے آت گیا تھا لیکن مجھے اپنی سمت کا کچھ اندازہ نہ تھا۔۔۔ مختلف مشریقے ملے اور میں ہبہ وقت اسی منصے میں رہتا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ ٹیکستان کا کورس درمیان میں چھوڑ کر اب میں سائنس پڑھ رہا تھا۔۔۔ کالج سے واپسی پر میں وہ سکی کو سیر کے لئے جاتا اور پھر اپنے کمرے میں بند ہو کر یا یا حق کتاب پکے پڑھنے لگتا۔ یہ کتاب پکے میں نے مختلف سفارت خانوں سے منگا کر کھے تھے اور ان کی تصاویر اور نقشے میرے لئے بے پناہ کشش رکھتے تھے۔۔۔ ان میں سو میٹر لینڈ

کے بارے میں کتاب پکے بھی تھے جو مجھے اس عمر میں بالکل مدبوش کر دیتے۔۔۔ وہ جھیلیں غیر حیقیقی لگتیں کہ ان کے پانی ایسی نیلا ہٹ لئے ہوئے تھے جو ممکن نہ تھی۔ کہاں پس کے قبیلے اور ان میں کھلے چھوٹے چھوٹے لگتے تھے اور پھر وہ سوس چھرے صحت مند سینا اور جیسے سب کے سب سورج کے سامنے کھڑے ہوں۔ میں نقشے دیکھتا رہتا۔ ان پر لکیریں لگاتا رہتا۔ کیپنگ کے لئے کہاں کہاں جگہیں ہیں اور کون نے ہمیں میں کو نہ اپاٹیں قبیلے چھولوں سے ڈھک جاتا ہے۔۔۔ وہ سب سراب تھے۔ وہ ایسے خواب تھے جو صرف اُس عمر میں ہی دیکھے جاسکتے ہیں۔ تصویریں کی دنیا کی حقیقت بہت بے کیف اور عامیاں ہوتی ہے۔۔۔ اب اسی تصویریوں کو دیکھ کر مجھے کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ لیکن اب تو کچھ بھی دیکھ کر کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ بہر حال میں نے گرمیوں کی چھٹیوں کے دوران سو میٹر لینڈ جانے کا رادہ کر لیا۔

”سو میٹر لینڈ“ میرے پوچھنے پر جوں نے حضرت سے کہا ”میں تو زیادہ سے زیادہ

بلیک پول جا سکتی ہوں اپنی سالاٹر ہالیڈے کے لئے.... ہاں تم جاؤ۔ میکن کیا تم ایک جاؤ گے؟ وہ ہمیشہ میرے بارے میں فکر مند رہتا۔

اکثر شاموں کو ہم اُس چھوٹے سے کمرے میں کھانے کی میز کے گرد بیٹھے شیلی و ڈین دیکھتے رہتے اور کبھی کبھار میں اپنا بھاری سوٹیر پہنتا اور جین کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر پاہر نکل جاتا۔ ہاں سے کچھ فاصلے پر ایک سینما تھا.... بہان پڑافی فلمیں دکھائی جاتی تھیں اس لئے بہت کم لوگ ہاں آتے.... البتہ ہاں لوگ کے اور اڑکیوں کا خوب بھوم رہتا۔ وہ نزدیکی پس سے بیشتر پی کر اُصر آ جاتے اور یہ دیکھ بیٹھ کر کوئی فلم دکھائی جا رہی ہے تکٹ فریدیتے کیونکہ وہ فلم تو کم ہی دیکھتے۔ سینما ہال کی تاریکی میں ان کی آوازیں مجھ تک آتیں۔ کچھ غیر مانوس اور نامناسب سی آوازیں۔۔۔ کچھ سرکرتا۔۔۔ ایک ہنسی دلبی اور میں بے حد بے چین ہو جاتا کیونکہ میری مجرمی بے چینی کی تھی۔ میں اپنی لشت پر پسلو بدلتا رہتا۔ میکن پر چلنے والی فلم ڈھنڈ لاجاتی۔ مجھے کچھ پتہ نہ چلتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ کانوں کی لوئی گرم ہو کر دیکھنے لگتیں۔ مانچے پر پسینہ اور بے آرمی اور بے چینی.... بدن کھانا ماننے سے انکار کر دیتا اور میں بے بے سانس لیتا سینما ہال سے باہر آ جاتا.... باہر سرو یوں کی رنگ دھند کو میں اپنے نہتوں میں محسوس کرتا اور پھر گھر سے سانس لے کر اُس بخار اکو دیکھت کو نارمل کرنے کی کوشش کرتا۔۔۔ راشد میل روڈ سنان ہوتی اور میں جیکٹ کے کارڈن کو اوپر کر کے اپنے چہرے کو سر و ہوا سے پچاتا فٹ پاتھ پر چلنے لگتا۔ واپس اپنے گھر کی جانب۔ ہاں وہ گھر ہی تو تھا جہاں مہربان اور میرے لئے فکر مند ہونے والے تین فر درہتے تھے اول اللہ بیبری جھون اور دیسکی۔۔۔ سردوی کی ٹھنڈی زبان میرے بدن کو ایک جنی آسودگی کے ساتھ دھیرے جیسا کر لیتی۔ سردوی کی ٹھنڈی زبان میرے بدن کو ایک جنی آسودگی کے ساتھ دھیرے دھیرے پاشتی اور چونکہ یہ بدن اس کامنات میں ابھی تازہ تازہ دار ہوا تھا۔

لئے مصبروط تھا اور ہر لمحہ اُسے گرم کرتا تھا چاہے یہ سردی کی مٹھنڈی زبان ہی کیوں  
نہ ہو۔ میں زیرِ بُلگنگا نے لگتا... یہ دو رات تھا جب دل ہیلی اور اُس کے ویسے  
ماتھے پر چپکا ہوا بالوں کا کنڈل پسندیدگی کے آسمان سے یچھے آ رہا تھا... راک آراؤنڈ  
دی کلاک اور سی یو لیٹر ایلی گیٹر کے نغمون پر راک اینڈ رول کرتے کرتے لجوں نسل بے حال  
ہو چکی تھی اور ایلوس پرسٹلے کی آمد آمد تھی... نسبتاً پر سکون موسیقی میں فریباںک سنائی  
ڈین مارٹن بینگ کرایے اور جوشی نشاد ایلا فر جیلز کا راج تھا... روانی جاذکے ساتھ  
ساتھ ماڈرن جاز بھی سنائی دے رہا تھا... اگرچہ مجھے فریباںک سنائی کا ردود کے  
گانے کا انداز زیادہ پسند نہ تھا لیکن اس کا گیت "آل دے دے" اپنے اندر ایک  
گھری اور اُس کی شش رکھتا تھا... اور میں ہمیشہ رات کو اس سینما سے واپس آتے ہوئے  
و صند میں سانس لیتے۔ اپنے گرم سانس کو فضائیں سفید ہوتے دیکھتے اور اپنے قدموں  
کی آواز سنتے ہوئے یہ گیت اپنی بے سری آواز میں گاتا رہتا... آج بھی اُس کی  
و صحن کہیں گمانیوں میں سے تیرتی ہوئی ایک نامکمل شبیہہ کی طرح جب میرے اندر  
مدھم مدھم سانس لیتی ہے تو یکدم رات اور سرد رات اور سانس فضائیں بھاپ ہوتا  
ہوا اور وہ جیکٹ اور ان زمانوں کی تمامتر بے ایمان مریک میرے قریب آئے  
لگتی ہے۔

گھری، شیلے سمندر سے بھی گھری

مہبتوں بلوتی ہے، یہ اتنی زیادہ گھری ہوتی ہے۔

میں تم سے محبت کر دیں گا... راستے کے اختتام تک۔

آل دے دے۔

اور یوں اُس دیران اور سرد رات میں، آل دے دے گلگنگا تایا گاتا ہوا میں

اُس گرم گھوٹنے میں پہنچ جاتا ہجہ میرا ہماری گھر تھا۔  
میرا کوئی دوست نہ تھا... میری اکثر شا میں گھر پر گزد تیں... اولڈ ہائیری  
بہت اپنی رفاقت تھا۔

میری کلاس میں میرے علاوہ ایک پاکستانی لڑکی بھی تھی۔ وہ سکرٹ پسندی اور  
نظر سمجھکارے کلاس ردم میں داخل ہوتی۔ اپنے دیگر ہم جماعتیوں کے ساتھ وہ کبھی  
کبھار گفتگو کر لیتی تھی لیکن مجھے وہ ایک فاسدے پر رکھتی۔ اس کی شکل میں وہ نمکینی تھی جس  
کا ذائقہ میں بھول رہا تھا اور اسے دیکھ کر میں ہوم رسک ہو جاتا۔ وہ جانتی تھی کہ  
میں اس کی جانب دیکھتا ہوں لیکن نہیں جانتی تھی کہ کیوں دیکھتا ہوں۔ اس اجنبی موحمند میں  
وہ گرمی کی ایک دوپر تھی جس کی خواہش مجھے تنگ کرتی تھی۔ ایک دو مرتبہ میں نے  
اس کے ساتھ فرش دیکھنے کے بھائے گفتگو کی تو وہ دلامت کے موسموں سے  
بھی زیادہ سرد تھی... ایک روز اس کا بھائی اُسے کلاس میں چھوڑنے کے لئے  
آیا۔ اُن نے مجھے دیکھا اور چلا گیا... اس کے بعد میں نے اس کی جانب دیکھنے  
کی ہدایت شرکی۔

دسمبر کے آخر میں موسم کی پہلی برفباری ہوئی۔ برف کے لیکے سفید سفوف نے  
ہر شے کی شکل کو بدل دیا۔ میں اپنی کھڑکی سے اُس کا سفید تواتر دیکھتا رہا جو اس طرح اُتر  
رہا تھا جیسے سرد صحیح نازل ہو رہے ہیں۔ دور روز بعد جب برف باری تھی تو میں  
اپنے آپ کو نوب اپنی طرح ڈھانپ کر دیکھ کر بھراہ باہر نکلا۔ مکاں کی قطار  
بھاٹ ختم ہوتی تھی وہاں ایک پکا راستہ کھیتوں اور ویران ٹیکلوں کو جاتا تھا۔ یہ راستہ اب  
وہاں نہ تھا... برف نے ہر شے کو سفید کر دیا تھا صرف لکڑی کا ایک پرانا چھانک  
دکھائی دیتا تھا یا چند مٹیاں جن پر سے برف بھر گئی تھی۔ میرا ایک ونڈر لینڈ تھی جہاں  
ایسی شکلیں تھیں جو میں نے کبھی نہ دیکھی تھیں۔ خاص طور پر سوکھی مٹیاں برف کو

سہارے ہوئے تھیں اور درخت اور جھاڑیاں جدید مصوری کے معین سفید شاہکا لگ رہے تھے۔ میں سانش بھی زور سے لیتا تو تازہ برف ٹھنی سے جھٹنے لگتی لے سانش بھی آہستہ کر..... ہر طرف خاموشی تھی اور میں برف کے کنواریں پر قدم رکھتا برفیلی ہوا کو اپنے اندر کھینچا پہنچا رہا۔ وہ سکی اس سفیدی میں ایک سیاہ دبنتے کی طرح ادھرا دھڑکنا پھرتا..... میں واپسی کے لئے پیچے مُڑا تو وہ سکی بہت پیچے تھا۔ میں نے سیٹی بھائی لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔

”وہ سکی.....؟“ میں نے زور سے پکارا۔

پچھے ٹھنیوں سے برف گرمی۔

میں چلتا ہوا اس کے پاس گیا۔ برف کی وجہ سے وہ سکی چلنے سے مخذول ہو چکا تھا۔ تازہ برف اس کے پیٹ کے لمبے بالوں کے ساتھ اس طرح پیٹتی رہی کہ دہان بڑے بڑے گولے بن پچکے تھے اور وہ سکی چلنے میں سکتا تھا..... میں نے اسے گود میں اٹھایا اور گھر کی جاش پھلنے لگا..... اس نے اپنی تھوڑتھی میرے بازو میں چھپا لی.....

آتش دان روشن تھا۔ میں نے وہ سکی کو اس کے پاس بٹھا دیا اور وہ باقاعدہ پھلنے لگا..... تھوڑی دیر بعد وہ سکی خشک ہو چکا تھا اور دہان پانی کا ایک چھوٹا سا تالاب بن چکا تھا۔ جون فیکٹری سے واپس آئی تو یہی طرح بھٹھر رہی تھی اور اس کی ناک سُرخ ٹھاٹ ہو رہی تھی اور وہ اس ٹھاٹ کو اپنے رومال سے پکڑ کر شوں شوں کرتی جا رہی تھی۔

”اوہ گرانٹ!“ اس نے آتش دان کے پاس کھڑے پانی کو دیکھ کر کہا ”یہ تم نے

کیا کیا؟“

”میں نے کچھ نہیں کیا جوں..... یہ سب کچھ وہ سکی نے کیا ہے؟“ میں نے سہن

کرا سے بتایا۔

”وہ سکی“ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ایک کتے کے اندر اتنا پافی تو نہیں ہوتا“  
”یہ کتے کے اندر نہیں تھا ہوں ...“  
میں نے اُسے اپنی برفانی سیر کی روئیداد سنائی۔

”اوہ بلا گئی...“ برف میں گھونٹا پھرنا تمہارے لئے تفریخ ہے ... تمہارا دماغ  
خراپ ہے یا نگ میں“ اس نے مجھے ایک کرسی یا میز کی طرح دیکھا اور پھر کندھے  
سیکھ رکھنے لگی۔ ہاں اس عمر میں دماغ خراپ ہی ہوتا ہے ... میں خود برف میں گھوما  
کرتی تھی کیونکہ میں بھی بہت ... میں کھڑے بدل کر آتی ہوں۔ میرا کوٹ نچھڑ رہا ہے“  
وہ اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

سر دیاں اس طرح گزدیں۔ آس پاس کے کھیت اور راستہ اور مکانوں کی پھیتیں  
سفید ہو جاتیں۔ برف پھلاتی اور ہر طرف گندگی پھیل جاتی۔ برف اور کیمپرے کے امتحان  
سے بو۔ سلش ہجود میں آتا وہ لوپے کی طرح سخت اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہم  
سب آتش دان کو نقیریاً گوڈ میں لئے بیٹھے رہتے۔ اول ڈبیری کچھ بیک نہیں تھا۔

”اگر میں ان سر دیوں میں سے نکل گیا تو سمجھو کہ ایک اور برس مجھے کچھ نہیں ہوگا“  
وہ بڑے آرام سے حساب لگا کر بتاتا۔

برف آخری مرتبہ پھلی تو کھیتوں کی ہر یا میں پہلی مرتبہ خوبصورتی نے بزم لیا۔ ہم  
آتش دان سے پرے ہو کر صوفیں پر جا بیٹھے۔ بھاری سویٹر چھیننے لگے اور ہوا میں سری  
کے باوجود کچھ پرکشش ذیوانگی سی تھی جو کچھ کھتی تھی۔

میں نے ایک مقامی سوٹر سے ایک بڑک سیک بیعنی سامان کا محتila خریدا۔ ....  
اور ایک چھوتا سائیمہ۔ سلیپنگ بیگ۔ مصنبوط تلے کے بوٹ۔ ایک پولہ اور کچھ اسی  
قسم کا سامان۔ یہ میری خاصہ بدوضی کی ابتداء تھی۔ اگر پرے میں نے ابھی تک صرف

انگلینڈ ہی دیکھا تھا لیکن میرے دل میں بستیہ یورپ دیکھنے کی خواہش نہ تھی۔ میں صرف اور صرف سوئٹزرلینڈ دیکھنا پا ہتا تھا اور بعد کچھ اس کے راستے میں آئے وہ سب کچھ... میں نے اپنے تین ان قصبوں اور شہروں کی فہرست بنالی جو مجھے دیکھنے تھے اور بالآخر گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہو گئیں... مہینہ جولائی کا تھا۔ میری پیکنگ کامل ہو چکی تھی۔ اُرک سیک ایک کرنے میں رکھا تھا اور اس پر شیمہ بندھا ہوا تھا۔ یہ جو غیر ملکی ہوتے ہیں نا... فرانسیسی اور جرمن وغیرہ تو یہ کچھ اپنے لوگ نہیں ہوتے۔ تم اپنا خیال رکھنا جوں پیشتر ورنگ کلاس برطا نوی عورتوں کی طرح انگریزوں کے علاوہ دیگر نسل انسانی کو شہک کی نظر وہ سب کے لئے وہ سب کے سب بلڈی فارز زستھے اور ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تمہیں پتہ ہے تم بہت خوش قیمت ہو کر یوں گھومنا پھرنا افروڑ کر سکتے ہو... میرا بھی بہت جی چاہتا ہے۔ جوں ایک قیدی تھی۔ اس کی رہائی کی بھی کوئی امید نہ تھی... وہ فیکٹری میں کام نہ کرے تو کھائے کھان سے اور باپ کر کھان رکھے اور مکان کے قرضے کی قطیں کون دے اور بدلی، گیس پانی کے بل کون ادا کرے... اسے ہر صورت کام پر جانا تھا۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں وہ گھر کی صفائی کرتی۔ کھڑکیاں دروازے پینٹ کرتی اور پھر چند روز کے لئے کسی سویلی کے ہمراہ کسی سستے ہالیڈے ریسارٹ پر چلی جاتی... اس کی واحد امید ایک عدد خاوند کا ظہور تھا۔

”مجھے لیتیں ہے کہ کسی نہ کسی روز وہ آجائے گا“ میں اُسے پھیرتا۔ ”مشکل ہے... نہیں“ وہ سر بلاتی۔ ”میں رقص کے لئے جاتی ہوں تو مجرم محسوس کرتی ہوں۔ میں اب اتنی جوان نہیں رہی اور سب کو پتہ پہل جاتا ہے کہ میں خاوند کے شکار کے لئے نکلی ہوں۔ کیا یہ شرمناک بات نہیں۔ اور پھر مجھے کوئی رقص کے لئے پوچھتا ہی نہیں... میں اب زندگی اسی طرح گدرے گی... اور میں شکایت نہیں

کرد ہی۔"

یہ وہ زمانہ تھا جب دوسری جنگ عظیم میں مارے جانے والے انگریز مردوں کی کمی ابھی پوری نہیں ہوتی تھی اور عورتوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی: .. "دیکھو" اولڈ ٹائمیری میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا "چھوڑو یورپ کو میرا ایک بھائی ابھی تک زندہ ہے اور اس کے پاس اس کا ذاتی کاروان موجود ہے جو اس نے لیدز کے قریب ایک ندی کے کنارے کھڑا کیا ہوا ہے۔ یہ کاروان ستمبر کے آخر تک بالکل خالی ہو جائے گا اور پھر ہم دونوں دہان چند روز گذار سکتے ہیں... نبڑی میں مچھلیاں بھی ہیں"

ٹائمیری دراصل میرے جانے سے بہت آزدہ تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ٹائمیری کے بھائی کا کاروان یعنی چھوٹا سا سفری گھر ستمبر کے آخر میں بے حد سرہ ہو گا اور ہم دونوں ڈبل روٹی کا کھا کر گذا رکھیں گے۔

ماپنچھڑ کے ریلوے ٹیشن پر لندن روانہ ہونے والی ٹرین میں خاص ارش تھا۔ "واپسی پر تمہارے پاس سنانے کے لئے بہت ساری واسitanیں ہوں گی" ٹائمیری بھی آنکھ مارتے ہوئے بولا۔ اور جب بھی کسی کا بوسہ لوتوں اولڈ ٹائمیری کو ضرور یا دکر لینا۔ "پاپا تم بیکتے جا رہے ہو" جون نے پیار سے کہا اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی، "ہم تمہیں مرس کریں گے... ہم دونوں اور وہ سکی بھی... کیوں وہ سکی؟"

وہ سکی اگلے دونوں پاؤں اُنمکار دیکھ گیا اور فرخ کرنے لگا۔ گاڑی ماپنچھڑ سے باہر نکلی... گھری بیٹھے سمندر سے بھی گھری، محبت یہ تنی زیادہ گھری ہوتی ہے۔

”کیا آپ نے ہمارا قدیم ترین اونک کا درخت دیکھا ہے؟ ایک انگریز پرہیز  
 قریب آیا اور درخت پامنہ پر رکھے رک سیک پر بیٹھ گیا۔  
 ”میں اونک کے درختوں میں دلچسپی نہیں رکھتا“ میں نے مکمل بیزاری سے کہا۔  
 صتوپہر آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ ”اُس نے پوچھا۔

”میں یہاں اس لئے کھڑا ہوں اور تقریباً دوپھر سے کھڑا ہوں کیونکہ مجھے کوئی  
 کار والا لفٹ نہیں دیتا.... اور مجھے سات بجے والی فیسری پر سوار ہو کر ڈودر سے  
 فرانس کی بندرگاہ کیلئے تاک جانا ہے.... اور اب چار بج رہے ہیں اور ڈودر سے  
 یہاں سے خاصاً درہ ہے.... اب پتہ چلا کہ میں یہاں کیوں کھڑا ہوں“ میں نے  
 انگریز پرہیز کے کندھ سے پرہاٹھ رکھ کر کہا ”اور آپ براو کرم میرے سامان پر مت بیٹھئے  
 کیونکہ اس میں نازک چیزیں ہیں جو لوٹ سکتی ہیں۔“  
 ”مثلاً؟ انگریز پرہیز جسح پر اتر آیا۔

”مثلاً..... مثلاً..... بہر حال ہیں نازک چیزیں ... اٹھوڑہ  
 وہ اٹھوڑہ کھڑا ہوا اور ہاتھ ملنے لگا“ تو آپ واقعی ہمارا قدیم ترین اونک ٹری نہیں  
 دیکھیں گے؟“

”نہیں پتے... میں نہیں دیکھوں گا“

۲۰  
”سیاح دور دور سے آتے ہیں اسے دیکھنے کے لئے“  
”میں آتنا بے وقوف سیاح نہیں ہوں“

بچہ کہیں گیا نہیں، وہیں کھڑا رہا اور مجھے دیکھنا رہا... میں نے آگے ہو کر انگوٹھا ہوا میں اٹھایا اور گذر قیڑیک کرتا نے کی کوشش کی کہ دے جاسیں یا مولا جلا کرے گا... لندن میں ایک دوست کے ہاں رات گزار کر میں گریز اینڈ میک ٹرین میں آیا تھا اور وہاں سے ڈوور تک پہنچنے کے لئے پنج ہائکنگ کا سمارالیا اور یہ سارا خاصا کمزور ثابت ہو رہا تھا۔ ایک دو نیا سیت چھوٹی ٹپھوٹی لفڑوں کے بعد اب میں اس مقام پر کھڑا تھا جہاں اوک کا کوئی درخت بہت قدیم تھا اور بقول مقامی آبادی کے سیاح حضرات اس قدیمی درخت کو دیکھنے کے لئے دور دور سے آتے تھے۔ دو پھر سے اب تک میں ہزاروں کا روں اور ٹرکوں اور دیگر درائیں ٹرانپورٹ کے آگے لفڑ کا سوال کرچکا تھا لیکن کوئی سخن ایسا نہ ہوا جو میری صد پر ک جاتا اب مصیبت یہ تھی کہ ڈوور کی بندرگاہ سے رد بار انگلستان کوئی فرانس تک عبور کرنے کے لئے دو شیمر چلنے تھے۔ ایک سات بجے شام اور دوسرا 11 گلی بیسح... اگر میں سات بجے والا سیمیر میں کرتا ہوں تو پھر ڈوور میں یکسے رات بسر کروں گا... ایک مرتبہ سوچا کہ زدیکی ریویس سٹیشن پر جا کر کوئی ٹرین پکڑ لی جائے لیکن اس میں بھی شدید تک کا پبلو تھا کہ گھر سے تو نکلے پنج ہائکنگ کرنے اور گھر سے نکلتے ہی ناکام ہو کر ٹرین میں سوار ہو گئے۔ ایک اور مصیبت یہ تھی کہ پچھلے چار گھنٹوں میں لفتریاً چار درجن بودھے جوان پہنچے وغیرہ مجھ سے ایک ہی سوال پوچھ چکے تھے ”کیا آپ نے ہمارا قیم ترین اوک کا درخت دیکھا ہے؟“ پہلے تو میں نے نفیس ترین اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسکرا مسکرا کر کہا کہ جی نہیں جناب ابھی تو اتفاق نہیں ہوا اور یوں بھی میں فی الحال ڈوور جا رہا ہوں اس لئے واپسی پر دیکھ لوں گا... لیکن یہ نفیس اخلاقی پاپنچ پوچھ مرتبہ ہی کام آسکا۔ جب کوئی ستائیسویں مرتبہ ایک بوڑھی خاتون نے یہی سوال پوچھا

تو میں نے نفیں اخلاق کو طاقت میں رکھا اور گرم ہو کر کما۔ میں نے آپ کا قدیم ترین اوک کا درخت نہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ جنم میں گیا آپ کا درخت اور آپ کے درخت کی میں تو...“

”ادہ ڈیئر“ بولڑھی خاتون خوفزدہ ہو گئیں ”ادہ ڈیئر... ادہ...“ اور وہ ادہ

ادہ کرتی چلی گئیں۔

مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس آبادی کے مکین مجھے اوک کا درخت کہ کہچیرتے ہیں اور وہ یہ سبھی میں صبح کا جھوکا تھا اور شام کو کس کے گھر لوٹتا... وہاں کھڑا قسمت آزمائی کر رہا تھا اور وہ بچھ مجھے دیکھے جا رہا تھا۔ یہ قصہ بہانہ دہ اوک کا درخت تھا جسے دیکھنے کے لئے میں تو نہیں گیا تھا شاہزادی کے نواح میں کہیں تھا۔

پا پنچ بجے کے قریب ایک چھوٹی سی بیٹی روکی جس میں تین لڑکیاں تھیں اور یہ شمار سامان تھا... اور ہاں تیسری لڑکی کی داڑھی بھی تھی اور داڑھی اس لئے تھی کہ وہ لڑکی نہ تھی۔ اس کے طویل گیسوؤں کی وجہ سے مجھے شک ہوا تھا۔ وہ فیڑ خاصی دیر کی رہی اور کچھ نہ ہوا اور آخر کار اس باریش ”خاتون“ نے سر باہر نکال کر کہا ”ذرا میری سانڈ کا دروازہ کھولنا یہ اندر سے نہیں کھلتا۔“

میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو موصوف اس طرح باہر گئے جیسے میرے قدم پھونٹے گے ہوں۔ بہر حال لڑکھڑا کر کھڑتے ہو گئے ”آمدیٹھو“ میں نے کار کے اندر دیکھا تو وہ سوت کیں کی طرح پیک تھی۔

”کہاں بیٹھوں؟“

اُن صاحب نے کار کے اندر رجھا لگا اور پھر پچھلا دروازہ کھول دیا۔ پچھلی نشست پر پیک کی ہوئی دونوں خواتین بھی وضطام سے باہر اگریں اور ان کے ساتھ دونیں

پھر لے ہوئے بیگ اور مکبل۔

”ابھی جگہ بن جائے گی“ امنوں نے کار میں بٹھونا ہوا سامان ذرا قریب نہ سے رکھنا شروع کر دیا اس دوران دونوں خواتین نے اپنے بیاس درست کئے اور پھر اندر گھس گئیں۔

”دیسے کہاں جاؤ گے؟“

”ڈودر“

”ڈودر ہے... ہم تو ہاں نہیں جا رہے“ وہ میرا کندھا تھیک کر کئے گئے البتہ ہم تمیں ایسی بگڑا تار دیں گے جہاں سے تم ڈودر جاسکو... چلو، بیٹھو“ میں نے اپنا زک سیک اٹھایا اور اللہ کا نام لے کر کار میں کو دپڑا۔ پتہ نہیں کیا لینڈنگ ہوتی بھر حال میں کار میں تھا۔

وہ انگریز بسپری ابھی تک دویں فٹ پاتھ پر کھڑا تھا اور تماشہ دیکھ رہا تھا۔ ”تو کیا آپ پسچ پچ ہمارا قدیم ترین اوک کا درخت نہیں دیکھیں گے؟“ کابر شارٹ ہوئی تو پہنچے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

”نہیں“ میں نے غصت سے کہا ”تمارے اوک کی...“

”دیکھ لیتے... یہ سامنے ہی تو تھا“ وہ جھک کر بولا۔

”کہاں؟“

”یہ سامنے“ اس نے فٹ پاتھ کے عقب میں واقع ایک پارک کی جانب اٹھا کیا جس کے درمیان میں ایک عام سا درخت کھڑا تھا اور بین درخت تھا۔ میں پوسے پا پسچ گھنٹے تک اس تاریخی اور قدیمی درخت کے پاس کھڑا رہا تھا اور اس لئے ہر کوئی مجھ سے پوچھتا تھا کہ کیا آپ نے...“

کار میں شفنسے ہوئے سامان سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ تینوں خواتین و حضرت  
دنیا کی سیاست کے لئے جا رہے ہیں۔ میری ناک کو بھونے والا بیگ میری اسکھوں کے  
سامنے بھی تھا اس لئے میری بصارت خاصی محدود ہو چکی تھی۔

”کیا آپ لوگ درلڈ نور پر جا رہے ہیں؟“ میں جہاں بھی تھا وہاں سے بلند آواز  
میں بولا۔

”گدھ میں نہیں،“ ڈرائیور کی آواز آئی۔ ”ہم تو ویک اینڈ گزارنے کے لئے بھی شیل  
جزیرے پر جا رہے ہیں۔“

”کیا یہ جزیرہ فراش کے ساحل کے ساتھ ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”گدھ میں نہیں“ ڈرائیور کھکھلا کر بہش دیا۔ یہ تو یہاں سے کتنا ہو گا! ہاں شاندیں  
تین میل ہو گا، یہیں انگلینڈ میں۔“

”تو آپ ڈوور نہیں جا رہے؟“

”نہیں لیکن ہم ایک خاص مقام سے جب بھی شیل کی جانب مڑیں گے تو تمہیں  
ڈریپ کر دیں گے اور تم وہاں سے ڈوور چلے جانا... درست؟“

”بھی درست؟...“

”اگر تم میرا ہاتھ بھوڑ دو تو میں تمہاری بے حد منون ہوں گی“ ایک خاتون کی  
آواز نہایت دی۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے وک سیک کو تھام رکھا تھا اور میرے دائیں  
بانیں اور سامنے بے شمار اتم غلم سامان تھا تو پھر میں ان خاتون کا ہاتھ کیسے تھام سکتا  
تھا...“

”آپ کا ہاتھ میں نے ہر گز نہیں تھا یا ہوا خاتون...“ میں نے اپنی آواز کو  
ڈرائیور سرت بناؤ کر کہا۔

”تم نے میرا ہاتھ تھا مانیں ہوا تم اُس کے اوپر بیٹھے ہوئے ہو“ خاتون کی ذرا کم پُرمُرتت آواز آئی اور میں نے بھی محسوس کیا کہ جس شے پر میں براجمان ہوں وہ کوئی ہاتھ وغیرہ ہے۔ بہر حال میں نے بڑی مشقت سے اپنے آپ کو فرا اور کرکی اور خاتون سے کہا کہ خاتون ہاتھ یکھیچے اور یوں یہ ہاتھ مجھے گد گدھی کرتا ہوا میری دنیا سے نکل گیا۔۔۔ میں نے ایک اچھے پلچ ہائکر کی طرح اپنا تعارف کروا یا۔۔۔

”اچھا تو تم سو میٹر زیمنڈ جا رہے ہو“ دوسری خاتون کی آواز میرے کا ذہن میں آئی ”اوہ لکھی یو“

”اچھا بھائی ذرا دیکھو ادھر میں ہوں“ ڈرامہ کی آواز آئی۔۔۔

”میں آپ سب کو دیکھو تو منہیں سکتا بہر حال۔۔۔“

”بہر حال میں فلپ ہوں اور لندن میں ہیز ڈریسر ہوں۔۔۔ اپنی دوکان سے اور یہ دونوں خواتین یعنی دیلری اور جیلن میری اسٹیشنٹ ہیں“

”آپ کو پتہ ہے ہماری زبان میں ہیز ڈریسر کو کیا کہتے ہیں۔۔۔ نائی؟“

”نائی؟“ فلپ نے خوش ہو کر کہا ”تو پھر آئی ایم اے بلڈنی نائی۔۔۔ اور یہ

لڑکیاں بھی نائی ہیں“

”منہیں نہیں“ میں نے سامان میں سرپلایا ”خواتین کے لئے لفظ نائن استعمال ہوتا ہے“

ایک نائن کی ہنسی کی آواز آئی ”سہرمن میں نہیں کو نائن کہتے ہیں۔۔۔ تو ہم نائن ہیں دیلری“

ادھر سے دیلری بھی اس سنئے خطاب پر بے حد راضی ہوئی۔۔۔

محتوڑی دیر بعد ہم اس دراسہ پر پہنچ گئے جہاں سے سیدھی سڑک تو ڈرور کو جا رہی تھی اور اس کی ایک شاخ کا رُخ سمندر کی جانب تھا۔ فلپ بھیکل باہر نکلا